مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

بزرگان دیوبند کے تازہ ارشادات کا تنقیدی جائزہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (۳۰-۳۹)

(مولانا محمد اسماعیل صاحب خطیب جامع اہل حدیث گوجرانوالہ)

(۳)

حافظ ابن جریر کی تصریح | حافظ ابن جریر سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ برزخی زندگی تو سب کے لئے ہے پھر شہدا کی خصوصیت کیا ہے "انهم مرزوقون من مأكل الجنة ومطاعمها في برزخهم قبل بعثهم ومنعمون بالذي ينعم به داخلوها بعد البعث من سائر البشر من لذيذ مطاعمها الذي لم يطعمها الله احدا في برزخه قبل بعثه اھ (ابن جریر ص ۲۲ ج ۲) شہدا کو جنت کے لذیذ کھانے برزخ ہی میں ملیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہ انعامات برزخ کے بعد جنت میں ملیں گے اھ۔ یعنی شہدا کی زندگی برزخی ہے دنیوی نہیں۔ ان کا برزخ جنت کی نظیر ہے جنت کے لذائذ ان کو قبر ہی میں مرحمت فرمائے جائیں گے۔ یہی مزیت ہے جسے حیات سے تعبیر فرمایا اور انہیں میت کہنے سے روکا گیا ہے۔

مولانا نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ تعالے والئی بھوپال مکتب فکر کے لحاظ سے اہل حدیث ہیں۔ اس لئے آپ حضرات کو ان سے یقیناً اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن وسعت نظر، وسعت مطالعہ، زہد و تقوے کے لحاظ سے ان کا مقام یقیناً بہت اونچا ہے۔ اور فہم قرآن میں ان کا ذہن بے حد صاف ہے بہت سے اکابر قدما سے بھی ان کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"بل هم احياء في البرزخ تصل ارواحهم الى الجنان فهم احياء من هذه

الجمهور ان کانوا امواتا من جهة خروج الروح من اجسادهم اھ فتح البیان ص۲۰۱ ج۱۲

شہدا برزخ میں زندہ ہیں۔ ان کی روحیں جنت میں جاتی ہیں گو روح کا تعلق جسم سے ٹوٹ چکا ہے۔

ص۲۰۵ میں فرماتے ہیں۔

"روح جوہر قائم بالذات بدن سے حسی طور پر مغایر ہے۔ جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک موت کے بعد بھی اس کا ادراک باقی رہتا ہے۔ کتاب و سنت کا یہی منشا ہے اھ"

دینیات کے مشہور عالم جون صاحب نور الانوار نے التفسیرات الاحمدیہ ص۴۹-۱۱ طبع کریمی بمبئی نے حیاتِ شہدا پر طویل بحث کے سلسلے میں اسے برزخی ہی قرار دیا ہے۔

پیش کردہ احادیث پر ایک نظر | حیات الانبیاء بیہقی کے حوالہ سے اس مسئلہ میں دس احادیث مرقوم ہیں۔ مقام نزاع کے تعین کے بعد ان میں سے کوئی استدلال کے قابل نہیں۔ پھر حیاتِ دنیوی کا ذکر کسی میں بھی نہیں۔ تاہم احادیث کے نام کی اہمیت اور اسلام میں سنت کے مقام کی رفعت کے پیشِ نظر اس کے متعلق اختصار سے کچھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوا۔ نامہ نگار کا تعلق دیوبند ایسی علمی درس گاہ سے ہے اس لئے بعض اہم احادیث کو جرح و توثیق کے لحاظ سے یہاں جانچا جاتا ہے۔

۱۔ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (بیہقی کا رسالہ، خصائص کبریٰ انباہ)

تحقیق | اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبی نے بھی میزان الاعتدال میں ابن عدی کا قول لا باس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی۔ قلت بل هو هالك قال الدارقطني في رواية البرقاني متروك الحديث قال ابو حاتم ضعيف قال الازدي واهي الحديث قال العقيلي كثير الوهم اھ ص۱۲۰ ج۱ یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ هالك، متروك الحديث، ضعيف، واهي الحديث اور اكثر الوهم اھ

حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان ص۲۴۶ جلد ۲ ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر

اس جرح کی تصدیق فرما دی ہے۔ باقی رہا شوکانی کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث رد اللہ علی روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ، لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (ص۲۸) تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے صح سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے جب تک حدیث پر وضع کے حکم یقینی نہ ہو محدثین کے نزدیک ثبت سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ نیل الاوطار میں حافظ شوکانی نے یہی لفظ اختیار فرمایا ہے۔ وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (ص۳۰۵ جلد ۳)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی اسے واھی الحدیث اور متروک الحدیث فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد جلد ۷، ص۴۰۵)

ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جا سکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد تو اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح تو ہونی چاہیئے۔ کما ذکرہ ابن القیم فی الصواعق المرسلہ اس حدیث کے متعلق ابن القیم فرماتے ہیں۔

وحدیث ذکر حیاتھم بقبورھم ۔۔۔ لما یصح وظاھر النکران
فانظر الی الاسناد تعرف حالہ ۔۔۔ ان کنت ذا علم بھذا الشان
ھذا ونحن نقول ھم احیاء لـٰکن عندنا کحیاۃ ذی الابدان
والترب تحتھم وفوق رؤسھم ۔۔۔ وعن الشمائل ثم عن ایمان
مثل الذی قد قلتموہ معاذنا ۔۔۔ باللہ من افک ومن بھتان

"انبیاء کی حیات فی القبور جس حدیث میں مذکور ہے اس کی سند صحیح نہیں اہل فن کو اس کی سند پر غور کرنا چاہیئے۔ اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان کے مبارک اجسام کے دائیں بائیں نیچے اوپر مٹی موجود ہے اور جس زندگی کے تم قائل ہو اس جھوٹ اور بہتان سے خدا کی پناہ۔"

حضرت موسےٰ کی نماز | حدیث نمبر ۲، ۳، ۴ میں موسےٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ نے

انہیں قبر میں نماز ادا فرماتے دیکھا۔ یہ بھی حیات دنیوی نہیں برزخی ہے۔ قبر میں بھی دیکھا۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی نماز میں شریک ہوئے۔ پھر آسمان پر بھی آپ سے ملاقات فرمائی اور مفید مشورے دیئے۔

آنحضرت نے حضرت یونس کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا۔ دجال کو بحالت احرام حج کے لئے جاتے دیکھا۔ عمر بن لحی کو جہنم میں دیکھا۔ یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رؤیت ہیں۔ اگر اسے دنیوی حیات سے تعبیر کیا جائے تو دجال ایسے خبیث لوگوں کو بھی حاصل ہوگی تو انبیاء کی فضیلت کیا باقی رہی۔ انبیاء کی حیات اہل سنت کے نزدیک شہداء سے بھی بہتر اور قوی تر ہے۔ برزخ میں عبادت، تسبیح، تہلیل اور رفعت درجات ان کو حاصل ہے۔ اور بعض واقعات صرف مثالی ہیں جو آنحضرت کو آیاتِ کبریٰ کے طریق پر دکھائے گئے۔ ان سے زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا نے کتاب الروح لابن القیمؒ سے بعض حکایات نقل فرمائی ہیں۔ تعجب ہے کتاب الروح کے اہم مباحث ان کی نظر سے کیونکر اوجھل رہ گئے۔

حافظ ابن القیمؒ نے امام ابن حزمؒ کا ایک حوالہ ان کی کتاب الفصل سے نقل فرما کر اس کے بعض حصص پر تنقید فرمائی ہے۔ اس میں اس حیات کا واضح تذکرہ فرمایا ہے۔

قلت ما ذكره ابن حزم فيه حق وباطل اما قوله من ظن ان الميت يحيى في قبره فخطأ فهذا فيه اجمال ان اراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج معه الى الطعام والشراب فهذا خطأ كما قاله والحس والعقل يكذبه كما يكذبه النص وان اراد به حياة اخرى غير هذه الحياة بل تعاد الروح اليه غير الاعادة المالوفة في الدنيا ليسأل ويمتحن في قبره فهذا حق ونفيه خطأ قد دل عليه النص الصريح فتعاد روحه في جسده اهـ (كتاب الروح ص۵۲)

"یعنی اگر زندگی سے دنیوی زندگی اور اس کے لوازم مراد ہیں تو یقیناً یہ غلط ہے۔ ایسی زندگی میت کو حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس سے مراد دنیوی زندگی کے علاوہ ہے جس میں

روح کے اعادہ معتاد زندگی کی طرح نہ ہو۔ اس کا مقصد صرف سوال اور امتحان ہو تو یہ درست ہے۔ اس کا انکار کرنا غلطی ہے۔ یہ زندگی نص صریح سے ثابت ہے۔

پھر ص۵۵ میں فرماتے ہیں روح جسم کے ساتھ روح کا تعلق پانچ طرح ہوتا ہے

ماں کے پیٹ میں بصورت جنین ۲۔ پیدائش کے بعد ۳۔ نیند کے وقت من وجہ تعلق من وجہ علیحدگی ۴۔ برزخ کا تعلق اس میں گو علیحدگی ہو جاتی ہے۔ لیکن تجرد کلی نہیں ہوتا بلکہ سلام کے جواب کے لئے اسے لوٹا یا جاتا ہے۔ لیکن یہ دنیوی زندگی نہیں ہوتی۔ جو اسے قیامت سے پہلے حاصل تھی ۵۔ قیامت کے دن یہ کامل ترین تعلق ہر پہلے چاروں قسم کے تعلق کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ حافظ ابن القیم نے اہل سنت کے مسلک کی اس میں پوری وضاحت فرمادی ہے۔ دنیوی زندگی کا ائمہ سنت سے سلف امت میں کوئی بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں شیخ عبدالحق اور مولانا حسین احمد صاحب رحمہما اللہ نے یہ مصیبت کہاں سے خرید فرمائی۔ درحقیقت یہ بات بے تکی سی ہے جو کسی پہلو بھی درست نہیں بیٹھتی عفا اللہ عنہما۔

حدیث ۵۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء رواہ اصحاب السنن و ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ میں بعض ائمہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی جزء فتتعدد الطرق یشد بعضھا بعضا (ص ۵۵ / ۱ج)

اسی مضمون کی دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے جس میں فنبی اللہ حی یرزق کی زیادتی مرقوم ہے۔ (ص ۱۱۹ کتاب الجنائز) غالباً شوکانیؒ نے اسے بسند جید لکھا ہے۔ صاحب تنقیح الرواۃ نے بھی اس کی سند کو جید فرمایا ہے حافظ ابن القیمؒ نے بھی جلاء الافہام میں حدیث ۵ میں ابن ابی حاتم کی جرح کے جواب میں کوشش فرمائی ہے جس کی بنیاد عبدالرحمان ابن یزید بن جابر اور عبدالرحمان بن یزید بن تمیم کے اشتباہ پر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جلاء الافہام کی ساری بحث پڑھنے کے بعد بھی ذہن صاف نہیں ہوتا۔

اجلہ محدثین رحمہم اللہ کی تنقید ایسی نہیں جو مناظرانہ احتمالات کی نذر کردی جائے حافظ عبدالعظیم منذری مختصر السنن ابی داؤد صـ۲ جلد ۲ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔ اخرجہ النسائی وابن ماجہ ولہ علۃ دقیقۃ اشار الیہا البخاری وغیرہ وقد جمعت طرقہ فی جزء اھ

حافظ ابوبکر بن العربی المالکی فرماتے ہیں ان الحدیث لم یثبت الا تعلیق مشتق صـ۱ مطبوعہ مصر بتحقیق و مدقق۔ ج ۱

ٹھیک اسی طرح حافظ منذری الترغیب و الترہیب میں فرماتے ہیں ولہ علۃ دقیقۃ اشار الیہا البخاری وغیرہ ولیس ہذا موضعہا اھ ترغیب صـ۱۲۹ ج ۱ مصری

حضرت ابو درداءؓ کی حدیث بروایت ابن ماجہ میں فنبی اللہ حی یرزق زائد ہیں حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مدرج ہیں مجد بن تیمیہ نے منتقی میں اس زیادتی کا ذکر نہیں فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں ادراج کو بطور شبہ قبول فرمایا ہے۔ (ج ۱ صـ۵۰۹) خان صاحب بریلوی نے بھی اس زیادتی کو مدرج تسلیم کیا ہے (حاشیہ حیات الموات صـ۱۶۸) خود ابن ماجہ میں یہ حدیث اوس بن اوس اور بسند ادس بن ادس سے مروی ہے۔ اس میں یہ زیادتی نہیں۔ ہر حدیث کے متعلق سخاوی فرماتے ہیں۔ رجالہ ثقات لکنہ منقطع (ترجمان السنہ صـ۳۰ جلد ۳) اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علت دقیقہ اور حافظ سخاوی کے ارشاد لکنہ منقطع کی تفصیل بھی ملاحظہ سامی میں آجائے تو مناسب ہوگا۔ اس حدیث کی سند میں زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی عن ابی الدرداءؓ نقل کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر زید بن ایمن کے ترجمہ میں فرماتے ہیں روی عن عبادۃ بن نسی وعنہ سعید بن ابی ہلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثا واحدا فی فضائل الصلوٰۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت رجالہ ثقات لکن قال البخاری زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسی مرسل (تہذیب التہذیب جلد ۳ صـ۳۹۵)

حافظ ابن حبان نے زید بن ایمن کو ثقات میں ذکر فرمایا۔ ابن ماجہ نے ان سے

صرف ایک حدیث درود کی فضیلت میں نقل فرمائی ہے۔ اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن یزید بن ایمن کی عبادۃ بن نسی سے روایت منقطع ہے اھ۔

یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی لیکن میں نے کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا تاکہ ان احادیث کی حقیقت معلوم ہو جائے جنہیں حضرات اجلہ دیوبند دبی زبان سے متواتر فرما دیتے ہیں۔ اور مدارج النبوۃ اور حافظ سیوطیؒ کی مصنفات پر اس قدر اعتماد کیا جاتا ہے جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے متوسلین سے انتہائی موجب استعجاب ہے۔

ان احادیث میں ضعف اور انقطاع موجود ہے لیکن مسئلہ چونکہ درود کے فضائل کا ہے۔ اس میں حلال و حرام یا عقائد کی بحث نہیں اس سے ابن القیمؒ ایسے ائمہ حدیث نے تسامح سے کام لیا ہے۔ بنابریں تعدد طرق سے اس کی تصحیح کی گئی اور عوام میں مشہور ہے کہ فضائل میں اس قسم کی احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ اہل تحقیق کے نزدیک یہ اصل بھی خود محل نظر ہے۔

جلاء الافہام میں اس حدیث پر طویل بحث فرمائی ہے انقطاع اور تضعیف کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ انقطاع کے لئے شواہد جمع فرمائے ہیں۔ گو وہ شواہد خود محل نظر ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان شواہد کے متعلق بھی علل کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن یہ تمام شواہد کثرت صلوۃ کے متعلق جمع فرمائے گئے ہیں۔ اور یوم الجمعہ کی تخصیص کو زیادہ تر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس حد تک کوئی حرج نہیں جمعہ کے دن کثرت صلوٰۃ کے متعلق ان شواہد سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

عقیدہ حیات اور اس کے نتائج لیکن اب مشکل یہ ہے کہ بریلوی مکتب فکر اور بعض اکابر دیوبند نے ان ضعاف اور منقطوعات سے عقیدہ حیات دنیوی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس بدعی تصور کو متواتر عقیدہ کا نام دینا شروع کیا ہے۔ اس لئے پورے یقین سے سمجھ لینا چاہیئے کہ تعدد طرق اور شواہد کے باوجود یہ اسانید اس قابل قطعاً نہیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے۔

پھر ان طرق اور شواہد میں حیات انبیاء کا ذکر نہیں بلکہ اکثروا علی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ پر زور دیا گیا ہے۔ جن طرق اور شواہد میں حیات کا ذکر صراحتہً آیا ہے۔ وہ کوئی بھی صحیح نہیں۔ بصحیح بغیرہ احادیث سے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ امت میں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ جن اہل علم سے ان احادیث کی توثیق نقل کی جا رہی ہے۔ ان میں کوئی دنیوی زندگی کا قائل ہے نہ ہی ان مباحث میں کسی نے اس بدعی عقیدہ کو ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ سب سے زیادہ بحث اس مقام پر حافظ ابن القیم نے فرمائی ہے۔ وہ حیات دنیوی کے قائل نہیں۔ ان احادیث سے مطلق حیات کو بھی انہوں نے ثابت کرنا پسند نہیں کیا اس لئے ان مباحث سے اس مفترعہ عقیدہ پر استدلال تاویل بما لا یرضیٰ القائل ہوں جسے اہل علم و دانش نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔

حدیث ۶ صحیح ہے اس میں سلام کے وقت رد روح کا ذکر ہے۔ یہ حیات دنیوی کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے جس قدر جوابات دیئے ہیں ان میں اکثر مناظرانہ انداز کے ہیں۔ اور جن پر حافظ سیوطی نے کچھ اعتماد ظاہر فرمایا وہ حیات دنیوی کے خلاف ہیں۔ ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ کا اپنا ذہن بھی اس حدیث کے متعلق صاف نہیں جوابات میں تذبذب اور خبط نمایاں ہے۔

رہا مولانا حسین احمد صاحب مرحوم کا ارشاد گرامی سو وہ نص حدیث کے مخالف ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک سلام کا جواب دینے کے لئے رد کی جاتی ہے۔ مولانا کے ارشاد کے مطابق رد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے مفہوم پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مولانا مدنی رح کے جواب سے تو حدیث کا مفہوم صاف نہیں ہوتا۔

حدیث ۷ میں اسراء کی رات کو انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر ہے معلوم نہیں اس سے حیات دنیوی کا استخراج کیسے ہوگا۔ آئمہ سنت نے اس کے متعلق دو ہی مشہور مسلک ہیں۔ بعض اس ملاقات کو روحانی سمجھتے ہیں۔ دیکھو فتح الباری ص۲۵۳ پ ۱۴ میں

ایک حدیث بزار اور حاکم سے منقول ہے۔ انہ صلی ببیت المقدس مع الملائکۃ وانہ اتی ھناک بارواح الانبیاء فاثنوا علی اللہ اھ۔ آنحضرت نے بیت المقدس میں ملائکہ کو نماز پڑھائی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی روحیں لائی گئیں اھ۔ دنیوی زندگی کا بہ لحاظ دعوے مصیبت ہوگیا ہے۔ اور احادیث میں تطبیق ناممکن۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ برزخ میں ان ارواح کو مماثل اجسام دیئے گئے اور ان اجسام نے بیت المقدس میں یا شب اسراء میں ملاقات فرمائی اس کا ذکر بھی حافظ ابن حجر فتح الباری (پ ۱۵ ص ۲۰۹ جلد ۳) میں فرماتے ہیں ان ارواحھم مشکلۃ بشکل اجسادھم کما جزم بہ ابوالوفا ابن عقیل اھ یہ دونوں صورتیں برزخ ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اسے دنیوی زندگی کہنا دانشمندی نہیں۔ اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ تصریح فرماتے ہیں لانہ بعد موتہ وان کان حیاً فھی حیاۃ اخرویۃ لاتشبہ الحیاۃ الدنیا (پ ۱۶ ص ۳۶ ج ۴) (پ ۱۴ ص ۲۸۳ ج ۳) میں فرمایا وھذہ الحیاۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ تلخیص الحبیر (ص ۱۶۲) میں بیہقی سے نقل فرمایا الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء یہ عند اللہ حیات برزخی اخروی ہوسکتی ہے۔ اسے کبھی کوئی سمجھدار دنیوی حیات تو نہیں کہہ سکتا۔

موسے علیہ السلام کی نماز حج، ہارونؑ، یونسؑ، حضرت مسیحؑ اور دجال کا احرام یہ سب حقائق مثالی ہیں یا برزخی، دنیوی تو نہیں ہو سکتیں۔ آنحضرتؐ کا بیٹا حضرت ابراہیم فوت ہوا۔ تو آنحضرت نے فرمایا لہ ظئران تکملان رضاعہ فی الجنۃ (مشکوٰۃ ص ۵۲) اس کی مدت رضاع جنت میں عورتیں پوری کریں گی۔ آپ کے خیال سے حضرت ابراہیم کو دنیوی زندگی ملی حالانکہ نہ وہ نبی ہیں نہ شہید۔ اس مطلب کی بیسیوں احادیث سنت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اگر ان سے دنیوی حیات ثابت کی جائے تو پھر یوں فرمایئے کہ دنیا میں کوئی مرتا ہی نہیں۔

حدیث ۸۔ ۹۔ ۱۰ بالکل حیات دنیوی کا پتہ نہیں دیتیں۔ معلوم نہیں مولانا زاہد صاحب نے انہیں کیوں نقل فرما دیا۔ سابقہ گذارشات کے بعد ان احادیث پر مزید گفتگو سے

[illegible]

کرے گا اس کی طرف، کا شعبہ ٹوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازمی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔"

حضرت مولانا کی جلالت قدر، دقت نظر، وسعت معلومات، تقوٰی، للہیت، معلوم اور مسلم ہے۔ ظلم ہوتا ہے کہ مجھ ایسا کم سواد علم و حکمت کے سمندر کے خلاف تنقید کا انداز اختیار کرتے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بحمداللہ ذہن میں تقلید و جمود کے جراثیم نہیں ہیں۔ اور آنحضرت فداہ ابی و امی کے بعد یقین سے کوئی معصوم نہیں۔ اس لئے سوچتا ہوں کہ اس مختصر سے اقتباس میں ہے کیا۔ اتنے بڑے متبحر فاضل نے افسوس ہے کوئی دلیل نہیں دی اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں لکھ سکے جو ذہن کو اپیل کرے۔ اور یہ مصیبت اس لئے پیش آئی کہ ان حضرات نے ایک غلط نظریہ اپنا لیا کہ انبیاء کی حیات برزخی نہیں جسمانی اور دنیوی ہے حضرت رحمہ اللہ نے

"مجازات کی زبان میں روح کو جسے قرآن نے امر فرمایا مرکب تصور کیا۔ پھر شعب لا متناہی تصور فرمایا، پھر اس مرکب کے اجزا سے ہر ایک کی توجہ مختلف سمتوں منقسم ہو سکتی ہے۔ پھر انقسام توجہ کے باوجود استغراق پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ پھر یہ روح عام ارواح کے لئے اور مومنین کی ارواح کے لئے منبع ہے، یعنی مسلم اور غیر مسلم ارواح کا انشعاب اسی روح سے ہوتا ہے اور مومنین کی ارواح کو آنحضرت کی روح پر فتوح سے خاص نسبت اور تعلق ہے۔"

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے ارشاد گرامی کا اقتباس آپ کے سامنے ہے۔ ظاہر ہے اس میں کوئی اغلاق نہیں۔ مجاز و استعارات کے انداز میں جو کچھ فرمایا ہے وہ الفاظ کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں۔ کتاب و سنت سے کوئی نص یا اشارہ حضرت نے اپنے اس فکر کی تائید میں ذکر نہیں فرمایا۔

قرآن عزیز نے روح کے تذکرہ میں جامع اور مناسب راہنمائی فرمائی ہے۔ قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ذرا غور کر لیا ہوتا کہ امر کی

تفصیلات میں جانا۔ اس کے غیر متناہی شعب کا تذکرہ ہوتا تو قرآن اسے ضرور بیان فرما دیتا۔ مولوی اخلاق حسین صاحب نے صک۲ میں زاد المعاد سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے اس کا اور مولانا کے اقتباس کا موازنہ فرمایئے۔ حافظ رحمہ اللہ کا ارشاد کس قدر اقرب الی السنۃ ہے۔ اور احادیث میں تطبیق کے لئے کس قدر موزوں اور مناسب۔ ادھر مولانا قاسم کی منطق ملاحظہ فرمایئے۔ وہ قطعی بے جان ہے الفاظ کی شعبدہ بازی سے زیادہ اس میں کچھ نہیں اور حدیث یرد اللہ علی روحی کو سامنے رکھا جائے تو پوری تقریر کی حیثیت ہوائی سی ہو جاتی ہے۔ اور حدیث کے الفاظ سے بالکل الگ اور مختلف!

بریلوی علم کلام | ہم نے بریلوی علم کے تین اصول سمجھے ہیں اول مخالف کو پیٹ بھر کے گالیاں۔ دوم جہاں تک ممکن ہو اس پر جھوٹی تہمتیں تراشتے جانا تاکہ بچارا الزامات کا جواب دیتے ہی تھک جائے۔ سوم جس بدعت کی ترویج مقصود ہو اس کے ساتھ "شریف" کے لفظ کا اضافہ، گیارھویں شریف، میلاد شریف، چہلم شریف، جو بستی بدعت اور شرک کا مرکز ہو اس کے ساتھ شریف لگا دو۔ جتنا بڑا پاپی اور جتنا مشرک ہو اس کے نام کے ساتھ جھوٹے خطابات کا ایک طویل سلسلہ ضم کر دو۔ عوام حق سے نفرت کرنے لگیں گے بدعۃ اور اہل بدعت کو پسند کرنے لگیں گے!

اخوان دیوبند | حضرات دیوبند پہلی دو بیماریوں سے قریباً محفوظ ہیں گالیاں نہیں دیتے۔ جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن اکابر کے محاسن میں غلط مبالغہ اور بے ضرورت غلو، اساتذہ کی تقدیس بانداز عظمت یہاں بھی موجود ہے اور بدرجہ اتم۔ آپ نے مولانا قاسم رحمۃ اللہ کا اقتباس پڑھ لیا۔ اب مبالغہ آمیزی ملاحظہ فرمایئے۔

"آب حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب استاد رحمۃ اللہ علیہ سے درساً درساً پڑھی۔ تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں۔ میں نے مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں۔ تو انہوں نے بایں ذہن ذکاء فرمایا کہ یہ میرے بس کی

اس کے بعد مولانا طیب صاحب کا ایک طویل خط مولانا اخلاق حسین صاحب نے نقل فرمایا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک غیر مفید بحث میں ناظرین کا وقت ضائع ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی فصوص الحکم یا فتوحات کے انداز کی ایک مستقل تقریر یا نظریہ ہے جس سے حدیث کے الفاظ کی روشنی میں حدیث کا حل نہیں ہوتا۔ پھر حضرت مولانا طیب صاحب کی تشریح حضرت نانوتوی کے ارشاد سے چنداں متعلق بھی نہیں۔ اپنی جگہ کچھ خیالات ہیں جن کی پیدائش کا ذمہ دار مولانا کا ذہن ہے جو تلامذہ اور معتقدین کی محفل میں کہنے کے لئے اچھی چیز ہے۔ دلائل و براہین کے معیار پر اس کا اترنا مشکل ہے۔ ایک مستقل سی تقریر ہے اس سے نہ حدیث کے حل میں مدد ملتی ہے نہ مولانا نانوتوی کے ارشادات پر تشریحی روشنی اس سے پڑتی ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نانوتوی کے ارشادات کو ابن قیمؒ کے ارشاد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بعض کشوف سے ضم کرنے کی ناتمام کوشش کی گئی ہے میں نے اسے ناتمام کہنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت نانوتوی آنحضرت کی روح پر فتوح کو کل ارواح باقیہ اور خصوصاً مومنین کی اصل تصور فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحب آنحضرت کو "حقیقی مومن" فرما کر اس کے عموم کو ختم فرماتے ہیں۔ اور اہل ایمان کی تخصیص کی ترجمانی اس انداز سے فرماتے ہیں گویا روح اور ایمان بالکل مرادف ہیں۔ اصطلاح کا حق ہر ایک کو ہے ہم اسے روک نہیں سکتے لیکن ارباب علم غور فرمائیں کہ اس سے کس قدر خبط ہوگا اور پرویز اور خلیفہ عبدالحکیم کو اصطلاحات کی تخریب سے روکنا کتنا مشکل ہوگا۔ بہتر ہے لوگوں سے گفتگو ان کی زبان میں کی جائے۔ جس طرح ابن القیمؒ نے کی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے سورج اور اس کی دھوپ کو تمثیلی انداز میں بہت طول دیا ہے۔ لیکن یہ کوشش بھی اس لئے ناتمام ہے کہ رد اللہ علی روحی میں لفظ رد کا تقاضا اس سے پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اس طول سے ذہن میں خبط ضرور ہو جاتا ہے۔

اگر یہ تقریر آنحضرت کی اطاعت کے وجوب کے متعلق کی جاتی یا متصوفانہ اور فقہی جمود پر اس سے پابندی لگائی جاتی تو بہت مناسب ہوتا حدیث کے فہم کے لئے تو اس تقریر کے

ہوتے ہوئے تو یہ لفظ حدیث سے نکالنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث سے مخلصی کی ایک اور راہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس کے رواۃ میں ابوصخر حمید بن زیاد ہیں۔ مسلم نے اس متابعت کے طور پر روایت کی ہے یحیٰی بن معین نے اسے بعض اوقات ضعیف کہا ہے۔ اس سے بعض منکرات بھی مروی ہیں۔ حدیث پر جرح کر کے مخلصی ہو سکتی ہے حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد یہ اصطلاحات کی ہیرا پھیری بے دین اور اہل بدعت کے لئے غلط راستہ کھول دے گی اور اس کی ذمہ داری اہل علم پر ہو گی۔

یا پھر وہی عام اہل سنت کی راہ کہ حیات برزخی ہے اور یہ دنیوی موت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ ان دونوں میں تضاد نہیں۔ اہل تحقیق اور ہمارے اکابر کی بھی یہی راہ ہے۔

قاری صاحب نے استغراق کی بھی کئی صورتیں بنا دی ہیں فی ذاتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغراق فی ارواح الامت، استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ۔ روح کا معاملہ جب ہمارے فہم و فراست سے بالا ہے تو پھر ان تکلفات سے کوئی فائدہ نہیں۔ ظاہر الفاظ سے ذرا آپ ایسے حدیث کے ماننے والوں کے لئے قطعاً مناسب نہیں۔ یہ ابن عربی اور ابن سعید کے انداز کا کشفی تصوف، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے زہد و ورع کے مطابق نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت قاری صاحب کا پورا خط خطابی انداز کا ہے۔ یہی حال مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم کے اقتباس کا ہے۔

اگر پاکستان میں اہل بدعت ان توہمات اور الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر اہل توحید کو دق نہ کرتے تو ان تلخ گذارشات کی ضرورت نہ تھی۔ ہم دور افتادہ مساکین پر آپ حضرات کسی اچھے طریق سے کرم فرمائیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ جو انداز اب تک اختیار فرمایا گیا ہے قابل شکایت ہے۔

شکوت وما الشکوی لمثلی عادۃ
ولکن بفیض الکاس عند امتلاءھا

ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرات سے توحید و سنت کی بات منیں۔ ائمہ سلف اور ان کے اعتصام بالسنۃ کے قصے سنیں۔ یہ جنس جو دارالعلوم لا رہا ہے پاکستان میں ضرورت سے زیادہ موجود ہے۔ آپ حضرات کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب کی رضامندی کے لیے کوئی اور راہ اختیار فرمائیے۔

دوردستاں را بہ نعمت یاد کردن ہمہ است

ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر مے افگند است

قاری صاحب کے مکتوب گرامی کے بہت حصوں پر میں نے گذارشات نہیں کیں ورنہ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۴۶)

کئے، آپ حضرات کے قیمتی فتوؤں سے استفادہ کیا بالآخر شکست کھا کر ملک کو خالی کرنے پر مجبور ہوا۔ آپ کو اور قادیانی حضرات کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

معلوم نہیں اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے۔ جو گذشتہ سال لائل پور کے بعض اخبارات میں چھپی کہ لائل پور کے بعض بریلوی دانش وروں نے اسی سلسلہ میں سر ظفر اللہ سے چھپ چھپا کر ملاقات کی۔ معلوم نہیں یہ مسعود کہاں تک کامیاب ہوا اس خبر کے بعد اہل توحید کے خلاف ہنگامے تو تیز تر ہو رہے ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرم بازاری کب تک رہے۔

امید ہے بریلوی مناظرین نے مدیر رضوان سے کتابیں تو مناسب قیمت پر خرید لی ہوں گی۔ اگر کوئی رہ گیا ہو تو وہ کتاب صوفی کمپنی منڈی بہاؤالدین سے اسی نایاب گوہر کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کتاب اتنی نایاب نہیں جس قدر اس کا اظہار کیا جا رہا ہے البتہ مدیر رضوان کے مشوروں پر عمل کرنے سے پہلے سو بار سوچ لیں ع

کہ اسی نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے!

(بقیہ تبصرات)

انبالہ کیس میں عمر قید بعبور دریا شور کی قید ہوئی۔ آیا یہ مقدمہ رنجیت سنگھ کی عدالت میں پیش تھا؟ مولانا کو یہ سزا کس سنگھ نے دی؟ مولانا جعفر نے اس کیس کی سرگذشت سنڈیمان سے واپسی کے بعد "کالا پانی" کے نام سے لکھی۔ بریلوی مناظرین ملاحظہ فرمائیں یہ پورا کیس انگریزی حکومت نے مرتب کیا۔ اور انتہائی انتقامی سزائیں دیں۔ جب بقول آپ کے تحریک انگریزوں کے خلاف ہی نہ تھی تو مقدمہ در انتقامی سزائیں کیوں دی گئیں؟ یہاں جج انگریز تھا۔ سکھ فریق مقدمہ بھی نہیں۔ پھر کیا یہ انگریز کی حمایت کا نتیجہ تھا؟

سانحہ بالاکوٹ میں سید احمد اور شاہ اسماعیل شہید ہو گئے۔ تحریک میں قیادت مولانا ولایت علی فرمانے لگے۔ اس اثناء میں سکھوں اور انگریزوں میں تصادم ہوا۔ سکھ حکومت آخری ہچکیاں لے کر ختم ہو گئی۔ لیکن سرحد پر انگریزوں سے ۱۹۲۱ء تک تصادم ہوتا رہا جس میں مجاہدین بدستور گوریلا جنگ لڑتے رہے۔ بریلویوں اور شیعہ کے سوا تمام مسلمان اس تحریک کی مالی سرپرستی کرتے رہے۔ کشمیر کی جنگ میں ان مجاہدین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی قیادت مرحوم لیاقت علی خاں کے مشورہ سے مولانا فضل الٰہی فرماتے رہے۔ سکھوں کے بعد آخر پنجاب پر انگریزوں کے سوا کون قابض تھا جس سے پوری صدی تک شمال مغربی سرحد پر تصادم ہوتے رہے۔ آپ حضرات کو ان کوششوں کے ساتھ جو انگریزوں کے خلاف ہوتی رہیں۔ چونکہ ذہنی طور پر اختلاف تھا اس لئے آپ ان سے بے خبر ہیں۔ ورنہ آپ یقین فرماتے کہ سوانح احمدی کے یہ ناقص حوالے ان واقعات کو نہیں بدل سکتے۔ جو صدی کے پس و پیش وقوع پذیر ہوتے رہے۔ مولانا جعفر تھانیسری کو آپ نہیں جانتے۔ انہوں نے مصلحت اندیشوں کو واقعات میں اس انداز سے سمویا ہے کہ واقعات پر مجموعی نظر خود آپ کی تردید کر دے گی۔ اور آپ یقین کریں گے کہ مدیر رضوان توجیہ غلط اور من قبیل مالا یرضی بہ القائل ہے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ میں خلافت کمیٹی ایسی سیاسی جماعتوں نے انگریز کے خلاف سرحد پار کے مجاہدین سے استفادہ کرنے کی کوشش کی مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی جالندھر میں نظر بند

ہوئے مولانا ثناء اللہ صاحب سے بعد مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی تک کے وارنٹ جاری ہوئے۔ جو میاں عبدالعزیز انسپکٹر خفیہ پولیس سے مل ملا کر بمشکل معاملہ رفع دفع ہوا۔ اس ابتلاء میں منشی فضل الدین مرحوم (برانڈرتھ روڈ لاہور) نے بہت زیادہ کوشش فرمائی فجزاہ اللہ احسن الجزا

ہاں تو مولانا محمد جعفر صاحب نے اس مصلحت اندیشی سے کیوں کام لیا؟ پھر سن لیجئے آپ حضرات اور آپ کے اکابر سیاست میں انگریزوں کے آلہ کار تھے۔ اور عقائد میں طبعاً توحید و سنت کے خلاف۔ مولانا جعفر صاحب مرحوم کے سامنے تحریک کا عروج و زوال گذر رہا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ انگریزوں سے لڑنا مشکل ہے۔ اس لیے توحید و سنت کی اشاعت کے پروگرام کو جہاں تک ممکن ہو زندہ رکھنا چاہیئے۔ اور سیاسی مشاغل کو کم کر دینا چاہیئے ـــــ گو اس سے بھی مجاہدین ان سے متفق نہیں تھے۔ تاہم ان کی یہ رائے بھی معقول معلوم ہوتی ہے۔

اس کی زندہ مثال آپ کے سامنے ہے ۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی۔ بریلوی حضرات سے تو ڈی قسم کے حضرات تو دودھ کے مجنوں نکلے۔ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت جمعرات کے ختموں اور شب برات کے حلوے تک ہی تھی۔ ان سے کوئی بھی آگے نہ بڑھا اور اتفاقاً پھنس گیا۔ تو گڑگڑا کر معافی مانگ لی۔ مولانا ابوالحسنات صاحب مولانا غلام محمد صاحب ترنم نے جرأت فرمائی۔ یہ دونوں بزرگ بڑی جوانمردی اور استقلال سے جیل گئے۔ ہم نے بریلوی کیمپ میں خدا شاہد ہے ان دونوں بزرگوں کو صاحب ہمت پایا۔ خلیل میاں کی سزا سے مولانا کو جو تکلیف ہوئی اس پر مولانا کے استقلال کا ہمیں پورا احساس ہے۔ لیکن جیل سے باہر آنے کے بعد مولانا پر عجیب اثر پڑا۔ ہمیں مولانا کے اس فیصلہ پر بے حد تعجب ہوا۔ کہ وہ آئندہ بریلوی بزدلوں کی سٹیج کے سوا کہیں تقریر نہیں فرماویں گے۔ اور کسی سیاسی تحریک میں شامل نہیں ہوں گے۔ مسجد وزیر خان کے ادارہ اہتمام سے جو معاملہ طے ہوا چنداں جرأت مندانہ نہیں۔ اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اپنے عقیدے کی بنا پر ہی سوچا ہوگا۔ کہ ختم نبوت اور دوسری دینی جماعتوں کی بجائے بریلوی مکتب فکر کی خدمت فرماویں۔ انہوں نے غلط یا صحیح طور پر یہی

مناسب سمجھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ سید عطاء اللہ شاہ زید فضلہ اور مولوی محمد علی جالندھری کے سپرد کر دیا جائے ۔ اور بریلوی طریقہ کار کے علاوہ تمام نیک کاموں سے کنارہ کش ہو جائیں ۔ عجیب بات یہ ہے ان مصلحتوں میں یہ حضرات جیل کے دیرینہ تجربہ کار سید فیض الحسن کو بھی لے ڈوبے ۔ یہ ہونہار نوجوان اپنی سابقہ حسنات پر پانی پھیرنے کے لیئے تیار ہو گیا ۔ اور ساری دیرینہ قومی خدمات پر خط نسخ کھینچ کر بزدلوں کی راہ نمائی پہ مطمئن ہو گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

ان حالات کو دیکھئے ہم یہ تو گمان بھی نہیں کر سکتے کہ مولانا ابو الحسنات اور مولانا غلام محمد ترنم ختم نبوت کے منکر ہیں ۔ تو اسے مصالح کا تقاضا ہی کہا جا سکتا ہے ۔ جس کا دوسرا نام کمزوری ہے ۔ یہی مصالح اگر ذاتی مفاد اور پیٹ کے لیئے کیئے جائیں تو بد دیانتی اور ٹوڈی پن ہے ۔ اگر کسی اچھے مقصد کے لیئے ان کا ارتکاب ہو تو اس کا نام اجتہادی غلطی ہے ۔

ٹھیک اسی قسم کے حالات مولانا جعفر کو پیش آئے ۔ ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھے جب مولانا جعفر نے سوانح احمدی لکھی ۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان واقعات میں جہاں بھی مولانا جعفر سے کچھ بھول رہ گئی ہے ۔ وہاں بعد کے واقعات نے اس بھول کو سیدھا کر دیا ہے ۔

بقیۃ السیف اہل توحید اور باقی اصحاب سنت میں بحمد اللہ پیر پرستی کا مرض نہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو معصوم نہیں سمجھتے ۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ انسان تھے ۔ ان سے غلطیاں ہو سکتی ہیں ۔ تو مولوی جعفر بیچارے کون ہیں ۔ حقائق اور دلائل کی راہ پیر پرستی بھی نہیں روک سکتی ۔ چہ جائے کہ جب ذہن اس مرض سے بالکلیہ صاف ہوں تو بریلوی مناظر اور مدیر رضوان کی یہ معاندانہ کوششیں اہل حق کا کیا بگاڑ سکتی ہیں ۔

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کسی دوسری صحبت میں وہ تمام واقعات منظر عام پر لائیں گے جن پر اہل حدیث کے اکابر نے انگریز سے دو دو لڑائیاں لڑیں ، انگریز نے خود اس کا اعتراف کیا اور باہر تحریک کو دبانے کے لیئے مجاہدین کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم

کتبخانہ امیر الملک میں یمنی نوادر

(از جناب ملک امام خاں صاحب نوشہروی ۔ لاہور)

(۶)

(سلسلے کے لئے دیکھئے رحیق مارچ ۱۹۵۸ء)

ابن الدیبع عبد الرحمن (م ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء)[۲۱] کی تالیف

"ترجمہ — ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن علی بن محمد بن عمر بن علی بن یوسف وجیہ الدین الشیبانی الزبیدی الشہیر بابن الدیبع ۔ والدیبع الابیض بلغة النوبیة ناداه به وهو صغیر عبد بهو فلزمه ولد فی زبید وغاب والده فی آخر السنة الی ان ولد فیها فلم تره عینه قط ونشأ فی حجر جده وهو الذی رباه۔

اشتغل علی خاله العلامة فرضی بالزبید بالفقه والعربیة والحساب والجبر والمقابلة والهندسة والفرائض وفی الاولین علی البرهان ابن جعمان وفی الحدیث والتفسیر علی الزین احمد بن احمد الشرجی وقرأ علیه جمیع مولفاته واخذ عن جماعة بنا هزون المائة وکان ثقة صالحاً حافظاً للاخبار والآثار متواضعاً"

"انتهت الیه ریاسة الرحلة فی علم الحدیث وقصده الطلبة من نواحی الارض ولم یزل علی الافادة وملازمة بیته ومسجده بتدریس الحدیث والعبادة واشتغاله بما یعنیه الی ان توفی رجب من سنة ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء"[۱]

[۱] معجم المطبوعات العربیہ (صفحہ ۱۰۲۔۱۰۵)

کتب خانہ امیر الملک میں شیخ الدیبع کا مخطوطہ!

۶۸- تمییز الطیب من الخبیث مما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث (حدیث)[1]

یہ امام سخاوی (محمد بن عبدالرحمان ام ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء) کی المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ کی تجرید وتلخیص ہے جو ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ حرف اول یہ ہے "الحمد للہ الذی رفع بعض خلقہ علی بعض فی الدرجات والمنازل ومیز بین الخبیث والطیب الخ" طرز عنوان الابداء یوں ہے۔ (قولہم آخر الطیب الکی) کلام لیس بحدیث (حدیث آفۃ الکذب[2] النسیان) اوردہ اجمع من الحفاظ فی مصنفاتہم عن علی مرفوعاً وفی سندہ ضعف والانقطاع ......"

اور اصل کتاب (المقاصد) ۲۵۱ بڑے صفحات پر ہے مطبع علوی لکھنؤ میں ایک مجموعے کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوئی تھی۔ اب نایاب ہے ـــ اور اس کتاب کی اشاعت کا شرف بھی صرف ہندوستان کو حاصل ہے مصر وغیرہ میں اب تک نہیں چھپی۔

حرف مطلب | المقاصد کی تلخیص امام الدیبع نے تمییز الطیب کے نام چار روز میں کی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

"فرغت من اختصارها فی اربعۃ ایام آخرها ضحی یوم الخمیس الثانی عشر من شهر رمضان سنۃ (۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء) سوی احرف یسیرۃ الحقتها بعد ذلك بمدینۃ زبید المحروسۃ من الیمن المیمون[3]......"

اور اس کے بعد تالیف میں فرماتے ہیں۔ "اما بعد فانی وقفت علی کتاب المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ.... لکنہ رحمہ اللہ (یعنی السخاوی) اطال وبالغ فی تطویلہ بما تضعف مطالعتہ فضلاً عن تحصیلہ ...." (تمییز ص۲-۳)

۱؎ سلسلۃ العسجد ص۷۸ ۲؎ مطبوعہ اصل اور تلخیص کے نسخوں میں اسی طرح ہے۔ مگر المقاصد میں تفصیلی روایت کے لفظ یہ ہیں "آفۃ الحدیث الکذب وآفۃ العلم النسیان" (ص۵) ۳؎ تمییز الطیب (ص۲۵۱) طبع مصر۔